Dr. Imran Zafar
Chairman, Govt. Graduate College, Jhang

Maryam Bibi
M.Phill (Scholar), Islamic University of Bahawalpur, Bahawalnagar Campus

ڈاکٹر عمران ظفر
چیئر مین شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج جھنگ
مریم بی بی
ایم فل اردو سکالر، اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، بہاولنگر کیمپس

افتخار عارف کی شاعری میں رثائی عناصر

Elegiac elements in Iftikhar Arif's poetry

Abstract: Iftikhar Arif's poetry shows a progressive and romantic mood, his religious poetry also gives a distinct identity in the contemporary poetic tradition. Apart from Hamd, naats, he has maintained his individuality by writing Marsia, Salam and Manqbat. Is. In his lament poetry, along with devotion and respect for the Ahl al-Bayt, there are elements of freedom thought to a great extent.

Key words: Religious, Marsiya, Ahl al-Bayt, Urdu Poetry, lament

افتخار عارف عصرِ جدید کی وہ خوش فکر اور روشن خیال شخصیت ہیں جو نہ صرف اردو بلکہ عربی، فارسی اور انگریزی کے کلاسیکی ادب کا گہرا مطالعہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان تمام زبانوں کے جدید ادب پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ یوں افتخار عارف عصرِ حاضر کے موضوعات و مسائل کو رقم کرنے کے لیے اردو کی کلاسیکی شعری روایت کے طرزِ سخن اور الفاظ و تراکیب سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مطالعہ کو کام میں لاتے ہوئے نئی تراکیب وضع کر کے اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ افتخار عارف کی شاعری کی کئی جہتیں ہیں جن میں ایک جہت وہ ہے جو ان کا سلسلہ عرفانی یا روحانی شاعری کی روایت سے جوڑتی ہے۔ افتخار عارف مذہبی علوم، تصوف اور اسلامی تاریخ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں جس کا فنی اور تخلیقی اظہار ان کی حمد، نعت، منقبت اور رثائی عناصر کی حامل شاعری میں بار بار ہوا ہے۔ زیرِ نظر مضمون ان کے رثائی کلام کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اردو شاعری کا دامن رثائی ادب کے حوالے سے کافی وسیع ہے۔ سلام، مرثیہ اور نوحہ جیسی اصناف رثائی شاعری کے دائرہ میں آتی ہیں۔ مندرجہ بالا تمام اصنافِ شاعری واقعہ کربلا سے تاثر قبول کرتے ہوئے وجود میں آئیں۔ سلام اور مرثیہ کا سرچشمہ بڑی حد تک معرکہ کربلا ہی ہے یوں واقعہ کربلا اور رثائی ادب لازم و ملزوم ٹھہرے۔ دورِ جدید میں رثائی ادب کی تخلیق کا مقصد سرکارِ دوعالم ﷺ اور شہدائے کربلا پر درود و سلام بھیجنے اور واقعاتِ کربلا کے مصائب غم انگیز انداز میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شہادتِ حسینؓ کے پس پردہ پختہ عزم اور ایمانی فلسفہِ شہادت کی ترویج سے سوئی ہوئی قوم میں سیاسی شعور بیدار کر کے انہیں ظالم اور جابر قوتوں کے خلاف ڈٹ کر میدانِ جنگ میں حسینی کردار اپنانے پر آمادہ کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر کا مرثیہ اور سلام رثائی عناصر کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اسوۂ شبیری کو اپنا کر مسلمانوں کو یزیدی قوتوں کے خلاف "مردِ میداں" بنانا چاہتا ہے۔

رثائی ادب زندگی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پیش کش کے باعث ہر عہد میں ہی مقبولِ خاص وعام رہا۔ عہدِ حاضر کے زوال پذیر معاشرے میں مخرب اخلاق رسوم ورواج اور لغویات کے بیچ معاشرتی اخلاقی اقدار کی آبیاری کرنا جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ دیگر تمام اصنافِ شاعری کے برعکس مرثیہ واحد ایسی صنف ہے جس میں انسانی رشتوں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی بات کی جاتی ہے۔ کربلا انسانی رشتوں کا ایک معاشرہ ہے جس میں چھوٹے بڑے، بوڑھے نوجوان اور بچے شامل ہیں۔ عالمی ادب میں کسی بھی صنف میں یہ سارے رشتے ایک ساتھ نہیں ملتے۔

افتخار عارف نے ایک نظم ”کربلا گواہی دے“(جو درحقیقت حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا مرثیہ ہے) میں کربلا میں موجود انسانی رشتوں کے تقدس، شجاعت، بہادری، ادائے فرض کا شدید احساس، دوسروں کے لیے ایثار الغرض تمام اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے خانوادۂ رسول ﷺ کا خاکِ کربلا کو اپنے لہو سے گلزار بنا کر ہمیشہ کے لیے گواہ بنانے کی داستان ہے۔ یہ نظم بطورِ خاص حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے میدانِ کربلا میں بے باک کردار اور بے مثال صبر کی داستان سناتی ہے:

کربلا گواہی دے

فاطمہ کی بیٹی نے

باپ کی شجاعت کو

صبر سے بدل ڈالا

بھائی کی رفاقت کا

حق ادا کیا کیسا(۱)

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے صبر کی داستان بہت طویل ہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے میدانِ کربلا کے قیامت خیز منظر نامے میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی بیٹی ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے فاتح خیبر کی شجاعت کو اپنے احساس میں صبر کی صورت میں ڈھال لیا۔ زینب اس خوبصورت اور معصوم روح کا نام ہے جس نے رشتوں کے تقدس کی پاسداری کرتے ہوئے پیارے بھائی کی محبت میں اپنے جگر گوشوں (عون و محمد) کو نہ صرف یزیدی قوتوں سے برسرِپیکار ہونے کے لیے میدانِ کارزار میں اتار کر بے مثال محبت کا ثبوت دیا بلکہ معصوم ننھے لاشوں پر ضبط کرتے ہوئے امتِ مسلمہ کی ماؤں کے لیے صبر کا ایک لازوال مثالیہ بھی پیش کیا۔

افتخار عارف نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی میدانِ کربلا میں صبر اور لازوال قربانی کی طویل داستان جو چند بندوں میں شاعرانہ ہنرمندی سے یوں بیان کیا ہے کہ کربلا میں رونما ہونے والے تمام اہم واقعات کی جزئیات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں:

مشہدِ مقدس سے

اک نیا سفر آغاز

جس کی ایک منزل شام

شام، شامِ مظلومی

اور وہ خطبۂ زینب

پھر تو بر سرِ دربار

پوچھنے لگی دنیا

ظلم کی کہانی میں

داستاں سراؤں کے

حاشیے کہاں تک ہیں

سوچنے لگی دنیا

منبرِ سلونی کے

سلسلے کہاں تک ہیں

خیر کے تحفظ پر

گھر لٹانے والوں کے

حوصلے کہاں تک ہیں

وقت نے گواہی دی

جبر کے مقابل میں

صبر کا سبق زینب

مصحفِ شہادت کا

آخری ورق زینب (۲)

دربارِ شام میں حضرت زینب روحانیت اور علوم کے سرچشمہ، سلونی کے بجا طور پر دعویدار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صدا بن کر فصیح و بلیغ خطبات کے ذریعے امام حسین کے اہداف کو دلیری اور شجاعت سے واضح کیا جس سے یزید کے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور دیگر شرکائے خاندان پر حضرت زینب کی زبانی مظالم کی طویل داستان سن کر منظر نامہ بدل گیا۔ سیدہ زینب کا صبر اور ظلم کے مقابلے میں مستقل مزاجی سے ڈٹ جانا تاریخِ کربلا میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ امام حسین کی شہادت کے بعد آپ کا کردار بہت واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے صبر اور ہمت نے ہی کربلا کے بیابان میں رقم کی گئی داستانِ شجاعت اور حریت کو زندہ رکھا۔

افتخار عارف نے ایک نظم "بعنوان شامِ غریباں" میں یومِ عاشورہ کے روح فرسا مظالم کے بعد "لیلۃ الوحشہ" کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے آلِ محمد ﷺ کا مرثیہ کہا ہے۔ عاشورہ کے روز جناب عالی مقام امام حسین علیہ السلام نے "دینِ ابراہیم" اور "شریعتِ محمدی" کی بقا اور حفاظت سر کا نذرانہ پیش کر کے اور جسم مبارک پر لاتعداد زخم کھا کر کی۔ شہادتِ حسین علیہ السلام کے بعد ظلم اور بربریت کی ایک لمبی داستان ہے جو افتخار عارف نے کچھ مصرعوں میں ہی اجمالاً سمیٹ لی ہے لیکن چند مصرعوں میں ہی دشتِ کربلا کی وہ کربناک شام آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

دشتِ بلا میں لہو رلاتا دن گزرے گی شام آئے گی

شام آئے گی فاتحِ خیبر کے بیٹوں کی لاشوں پر گھوڑیں دوڑیں گے

شام آئے گی آلِ فاطمہ کے خیموں میں آگ لگے گی

شام آئے گی نیزوں پر قرآن اٹھانے والے

اب کے صابر آلِ محمد کا سر قلم کریں گے

عَلَم کریں گے

دشتِ بلا میں لہو رلاتا دن گزرے گا شام آئے گی (۳)

اردو شاعری میں واقعہ کربلا کی کم و بیش تمام جہتوں کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے مگر امام حسین علیہ السلام کے سجدۂ عصر کی معنویت کو بطورِ خاص اجاگر کیا گیا ہے۔ افتخار عارف نے بھی اپنے ایک سلام میں آخری سجدۂ حسین کے فلسفے کو فنی ہنرمندی اور خوبصورت شاعرانہ توجیہات کے ساتھ پیش کیا ہے:

کربلا کی خاک پر کیا آدمی سجدے میں ہے

موت رسوا ہو چکی ہے زندگی سجدے میں ہے

وہ جو اک سجدہ علی کا بچ رہا تھا وقتِ فجر

فاطمہ کا لال شاید اب اسی سجدے میں ہے

وہ جو عاشورہ کی شب گل ہو گیا تھا اک چراغ

اب قیامت تک اسی کی روشنی سجدے میں ہے (۴)

مندرجہ بالا سلامیہ اشعار تلمیحاتی پیرایہ اظہار لیے ہوئے ہیں۔ ہر شعر میں ایک تاریخی واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ شعرا کو حاکم وقت کے مظالم، بے عدلی اور مظلوموں کے حق میں قلم اٹھانے کی پاداش میں ہمیشہ سے کبھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے چکی کی مشقت اٹھانا پڑی تو کبھی وطن بدر ہونا پڑا۔ یوں اظہارِ خیال پر پابندی ایک ذہنی جبر ہے ایسے حالات میں فنکار اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات اور خیالات کی عوامی ترسیل استعارات اور علامات کا سہارا لیتا ہے۔ افتخار عارف نے بھی یہی کیا ہے۔ لیکن افتخار عارف نے استعارات و علائم سے پیدا ہونے والے کثیر الجہات مطالب پیدا کر کے دیگر شعراء سے کہیں بڑھ کر استعارہ شناس ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اگر افتخار عارف کی مندرجہ ذیل ایک ہی سلامیہ غزل پر غور کیا جائے تو علاماتِ کربلا اور تلازمات کربلا کا معنوی تسلسل کسی اور شاعر کے ہاں اس خوبی کے ساتھ مجسم ہوتا نظر نہیں آتا:

وہی پیاس ہے وہی دشت ہے وہی گھرانا ہے

مشکیزے سے تیر کا رشتہ بہت پرانا ہے

صبح سویرے رن پڑنا ہے اور گھمسان کا رن

راتوں رات چلا جائے جس جس کو جانا ہے

دریا پر قبضہ تھا جس کا اس کی پیاس عذاب

جس کی ڈھالیں چمک رہی تھیں وہی نشانہ ہے

کاسۂ شام میں سورج کا سر اور آوازِ اذاں

اور آوازِ اذاں کہتی ہے فرض نبھانا ہے (۵)

افتخار عارف نے اس غزل میں کربلا کے تقریباً ہر اہم واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہر وقوعے کے علامتی تلازمات کی دنیا کے معنیاتی تلازمات سے مطابقت پیدا کر کے صحیح طور پر اپنی شاعرانہ ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ افتخار عارف کی مذکورہ غزل میں وقوعہ کربلا کے سبھی متعلقات اور انسلاکات کے معنوی تسلسل کا بخوبی اظہار گویا کربلا کو ہماری آنکھوں کے سامنے مجسم کر دیتا ہے۔ پہلے شعر میں حسینی قافلے میں بچوں کے پیاس سے بے حال ہو جانے پر امام عالی مقام کے حضرت عباس علیہ السلام کو نہر پر جا کر پانی لانے کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ "پیاس" اس وقوعے کا اہم تلازمہ ہے اس وقوعہ کی دیگر جزئیات کی تکمیل میں نہر، مشک، علم، بازو، تیر اور کوزہ شامل ہیں۔ حضرت عباس کا نہرِ فرات پر جا کر مشک میں پانی بھرنا، موقع ہونے کے باوجود پیچھے رہ جانے والے پیاسوں کا خیال دل میں لا کر اپنی پیاس نہ بجھانا، بچوں تک پانی کی جلد رسائی کی خاطر مشکیزہ لے کر آگے بڑھنا اور پھر یزیدی افواج کا آپ کو خیمے تک پہنچنے سے روکنا، پانی سے بھری مشک کو بچانے کی خاطر لشکر سے مزاحمت کرتے ہوئے آپ کے بازوؤں کا قلم ہونا اور پھر بازوؤں کا

نذرانہ دے کر حاصل کیے ہوئے پانی کا مشک پر تیر کا نشانہ لگنے سے چھد کر بہہ جانا۔ یہ سب متعلقات مل کر پانی اور پیاس کی معنوی حیثیت اور اہمیت کی اجاگر کرتے ہیں۔ مذکورہ شعر علامتی سطح پر ہر اس انسان کا ترجمان ہے جسے ہر عہد میں اپنے اہداف کے حصول اور تکمیل میں استبدادیت اور مزاحم قوتوں سے پالا پڑتا ہے اور اس پیکار کا المناک رخ یہ ہے کہ مقصود شے تک رسائی پا کر بھی اس سے فیض نہیں حاصل کر سکتے اور ایک نہ ختم ہونے والا رنج ہمارا مقدر بن جاتا ہے گویا آج کے انسان کو بھی ایک کربلا اور یزیدی قوت کا سامنا ہے جن سے بر سرِ پیکار ہو کر ہی اپنی ضرورتوں اور مقاصد کو پورا کرنا پڑتا ہے۔

دوسرے شعر میں شبِ عاشور کے اس اعلان کا ذکر ہے جو امام حسین علیہ السلام نے یزیدی قوتوں کے مذموم عزائم کو بھانپ کر اپنے لشکر کے سامنے کیا ۔امام عالی مقام نے اپنے اقربا اور شرکائے کربلا کو یومِ عاشور کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے شمع کو گل کر دیا تا کہ جانے والے شرمندہ نہ ہوں لیکن شرکائے کربلا میں سے ایک فرد کے پائے استقامت میں بھی لغزش دیکھنے میں نہیں آئی۔ یوں اس شعر میں امام حسین کی شرکا اور اقربا کو حقِ آزادی رائے دینے اور اس کا احترام کر کے ایک بہترین عادل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ تیسرا شعر پہلے شعر کے مفہوم کی ہی توسیع ہے کہ عباس علمدار دریا پر آزادانہ تصرف ہونے کے باوجود صرف اس لیے پیاسے رہے کہ لشکرِ حسینی کی پیاس ابھی برقرار ہے اور قافلے کی اسی پیاس کو بجھانے کے لیے یزیدی لشکر کے تیروں کا نشانہ بن کر بازوؤں سے محروم کر دیے گئے۔ چوتھا شعر وقوعہ کربلا کے جواز اور مقصدِ حسینی کی نشاندہی کرتا ہے۔ چاروں طرف سے دشمنوں کے تیروں کے نرغے میں گھرے ہوئے حسین نے اذان کی آواز پر لبیک کہا اور سجدۂ عصر ادا کرتے ہوئے دینِ ابراہیمی اور شریعتِ محمدی ﷺ کو اپنے سر کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے شر انگیز قوتوں کی تخریب کاریوں سے بچالیا۔ حسین علیہ السلام کا عظیم مقصد کی تکمیل میں جان قربان کرنا آئندہ نسلِ آدم کی منزل تک پہنچنے کا ڈھنگ سکھا گیا۔ اب رہتی دنیا تک عظیم مقاصد کی بقا اور تکمیل میں بر سرِ پیکار قوتوں سے نمٹنے کے لیے حسینی ماڈل سے زیادہ کوئی نمونہ قابلِ تقلید نہیں۔

مذکورہ سلامیہ غزل میں تعلیقاتِ کربلا کا ارتباط معنوی طور پر عصری حسیت کا بخوبی احاطہ کرتا ہے۔۔ اس غزل کے علاوہ افتخار عارف کے کلام میں کثرت کے ساتھ کربلا کے وقوعے سے بننے والی علامتوں سے نئے مفاہیم کا اطلاق وسیع طور پر ہوتا ہے۔

اب بھی توہینِ اطاعت نہیں ہو گی ہم سے

دل نہیں ہو گا تو بیعت نہیں ہو گی ہم سے (۶)

"بیعت" کربلا کا مرکزی اور اہم وقوعہ ہے اسی وقوعے سے دیگر وقوعے جنم لیتے ہیں۔ اسی بنیاد پر حق اور باطل آمنے سامنے ہوئے۔ بیعت کے آداب اور اصولوں میں ایک اصول دل کا اقرار ہے۔ یہ آداب اور اصول نواسۂ رسول ﷺ نے وضع کر کے ہمیں سکھایا کہ اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی کر کے شریعت کو بدلنے والے بیعت کے لائق نہیں ہوتے۔ چنانچہ امام حسین عالی مقام علیہ السلام نے انتہائی جرات مندانہ قدم اٹھاتے ہوئے اپنے زمانے کے آمر کے خلاف بغاوت کی اور حق کی سربلندی کے لیے نیزے پہ سر چڑھا کر ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔ عظیم مقاصد کی بقا اور تکمیل عظیم قربانی بھی مانگتی ہے۔۔ عصرِ حاضر میں عنانِ اقتدار بے عمل اور ناکارہ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور عوام باطل قوتوں سے مزاحمت کی جرات نہ کرتے

ہوئے اطاعت کرنے پر مجبور ہے۔ آج پھر سے اپنے ضمیروں کو حق کو پہچاننے کی دعوت دیتے ہوئے جرات مندانہ کردارِ حسینی اپنانے کی ضرورت ہے۔افتخار عارف نے اسی سے ملتے جلتے مضمون کو ایک اور شعر میں یوں بیان کیا ہے:

خلق نے اک منظر نہیں دیکھا بہت دنوں سے

نوکِ سناں پر سر نہیں دیکھا بہت دنوں سے (۷)

آج ہم حق کی حمایت میں باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے کی جرات اور طاقت سے محروم ہو چکے ہیں۔ طاغوتی قوتیں مومن کی آزمائش کے لیے ہر دور میں سر اٹھاتی ہیں لیکن ان شر انگیزں سے مزاحم ہونے کے لیے کوئی حسینی کردار کا حامل بھی تو ہو۔ڈاکٹر صفدر میر جنگِ کربلا پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"جنگِ کربلا دو طاقتوں کی لڑائی نہ تھی بلکہ دو ذہنیتوں کی لڑائی تھی جس میں شکوہِ دنیا پہ جان دینے والے ایک طرف سے اٹھے اور مذہب پرست، حق شعار، دوسری طرف سے آئے۔ امام حسین علیہ السلام نے چند اصولوں کی حمایت میں مردانہ وار جان دے دی"(۸)

افتخار عارف نے جس وقت کربلا کا استعارہ وضع کیا اس وقت انہیں اور ان کے عہد کے ادیبوں اور عوام کو جنرل ضیا الحق جیسے آمر کی آمریت کا سامنا تھا ۔یوں افتخار عارف نے اپنی شعری قوت کو کام میں لاتے ہوئے استعاراتی پیرائے میں اپنے وقت کی کربلا کا منظر نامہ پیش کیا اس کی سب سے نمائندہ مثال ان کی نظم "ایک رخ" ہے جس میں کچھ تاریخی سانحات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کے علاوہ عالمی منظر نامے پر بھی کچھ دلدوز واقعات نے افتخار عارف کے احساسات کو مجروح کیا۔ان واقعات میں اسرائیل کا فلسطین پر حملہ، برما کے مسلمانوں پر ظلم و بربریت، شام کے مسلمانوں کا بے جا قتل اور گجرات کے فرقہ وارانہ فسادات سے ہر آنکھ پرنم تھی، ایسے عالم میں افتخار عارف کربلا کو یاد کرتے ہوئے اپنے وقت کے جابروں کے خلاف پوری قوم کے دل کی آواز بن گئے اور یوں یہ نظم وجود میں آئی:

وہ فرات کے ساحل پر ہوں یا کسی اور کنارے پر

سارے لشکر ایک طرح کے ہوتے ہیں

سارے خنجر ایک طرح کے ہوتے ہیں

گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندی ہوئی روشنی

دریا سے مقتل تک پھیلی ہوئی روشنی

جلے ہوئے خیموں میں سہمی ہوئی روشنی

سارے منظر ایک طرح کے ہوتے ہیں

ایسے ہر منظر کے بعد ایک سنّاٹا چھا جاتا ہے

یہ سناٹا طبل و علم کی دہشت کو کھا جاتا ہے

سناٹا فریاد کی لے ہے، احتجاج کا لہجہ ہے

یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے، بہت پرانا قصہ ہے

ہر قصے میں صبر کے تیور ایک طرح کے ہوتے ہیں

وہ فرات کے ساحل پر ہوں یا کسی اور کنارے پر

سارے لشکر ایک طرح کے ہوتے ہیں(۹)

پہلے ہی مصرعے میں "فرات کا ساحل" کے بالمقابل "کوئی اور کنارہ" کا ذکر پوری کائنات کا ترجمان بن جاتا ہے۔ افتخار عارف پوری دنیا پر ظلم و بربریت کی حکمرانی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم دیکھتے ہیں تو انہیں پوری دنیا کربلا کا منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ واقعہ کربلا سے علاقہ رکھنے والے الفاظ لشکر، گھوڑوں کی ٹاپیں، خنجر، خیمے، دریا، مقتل اور طبل و علم ایک طرف تو صدیوں پرانے کربلا کی یاد تازہ کرتے ہیں تو دوسری طرف نظم کی معنویت کو اجاگر کرتے ہوئے کربلائے عصر کا احوال پیش کرتے ہیں۔ چودہ مصرعوں کی یہ خوبصورت نظم کائنات عالم میں برپا ہونے والے المیوں اور سفاکیوں کو منظرِ عام پر لاتے ہوئے معاصر جابر قوتوں کے خلاف احتجاج کا ایک رخ پیش کرتی ہے۔

افتخار عارف نے امام عظیم کی راہِ حق میں قربانی، فلسفۂ شہادت کے ساتھ ساتھ غمِ حسین کی اہمیت و معنویت کا بھی احاطہ ایک سلام میں کیا ہے۔ غمِ حسین پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین ﷺ تک نے گریہ کیا ہے۔ غمِ حسین کی وارث امتِ محمدیہ ﷺ ہے۔ آج دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں محبتِ حسین میں ان کی جاں نثاری کو یاد نہ رکھا گیا ہو۔ غمِ حسین کو دل میں زندہ رکھنا حضرت امام حسین علیہ السلام کے عظیم مقصد کو دل میں زندہ رکھنے کے مترادف ہے۔ غمِ حسین عطیہ خداوندی کے تحت ہر حسینی کے دل میں اترتا ہے:

نمازِ عشق کی تفسیر بن گیا ترا غم

کبھی فغاں، کبھی سجدہ، کبھی دعا ترا غم

ہزار ظلم کی کوشش کہ ذکر مٹ جائے

مگر بچھی تری فرشِ عزا، رہا ترا غم

حصارِ ظلم کے نرغے میں سرخرو ترے لوگ

حدودِ وقتِ معین سے ماورا ترا غم

کشاکشِ دل و دنیا میں ہم غلاموں نے

ہر ایک چیز گنوا دی، بچا لیا ترا غم

مقابل صفِ اعدا بلند ترے علم

خیام صبر شعاراں کا حوصلہ ترا غم

ہوئی جب بھی صف آرا سپاہِ ظلمت و ظلم

کہیں سپر، کہیں شمشیر بن گیا ترا غم (۱۰)

غمِ حسین کی تعبیر سجدۂ آخر میں پوشیدہ ہے۔ یزیدیت آج بھی کسی نہ کسی روپ میں ذکرِ حسین اور غمِ حسین مٹانے کے درپے ہے لیکن بی بی زینب سلام اللہ علیہانے کربلا کی ریت پر فرشِ عزا بچھا کر سوگ منانے اور غمِ حسین زندہ رکھنے کی جو روایت ڈالی وہ آج بھی زندہ ہے۔ گزرتے وقت کی گرد بھی اس عظیم مقصد کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غم کو مٹا نہیں سکتی کیونکہ نیک مقاصد کے حصول میں قربان ہو جانے سے پیدا ہونے والا غم بھی لازوال ہوتا ہے۔ غمِ حسین ہر دور کی ظلمت کو مٹانے میں کردارِ حسینی اپنانے والوں کی کبھی ڈھال تو کبھی تیز دھار تلوار بن جاتا ہے۔ افتخار عارف نے غمِ حسین کو ایک صحت مندانہ روپ میں اپنا کر مانے کی طاغوتی قوتوں سے نبرد آزما ہونے کا طریقہ بتایا ہے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ افتخار عارف کی رومانی شاعری کے ساتھ ساتھ رثائی عناصر کی حامل شاعری کے بھی کچھ بنیادی اختصاصات ہیں اگرچہ یہ خصائص دوسرے شعرا کے ہاں بھی ملتے ہیں لیکن افتخار عارف نے انہیں اس درجہ خلاقی اور کمالِ صناعی کے ساتھ نبھایا ہے کہ پورے معاصر شعری منظرنامے میں اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ رثائی ادب کو موزوں استعمال کرتے ہوئے انہوں نے زیادہ تر ان خصوصیات کو نظم کرنے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق انسانی رشتوں کے تقدس، شجاعت، بہادری اور ادائے فرض کے شدید احساس، دوسروں کے لیے ایثار الغرض تمام اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پاسداری سے ہے۔ عاشورآئی موضوعات میں حریت اور کج کلاہی کا عنصر ان کے ہاں نمایاں ہے۔ متصوفانہ پن ان کے ہاں مذہب اور مذہبی شخصیات دونوں حوالوں سے نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ افتخار عارف، شہر علم کے دروازے پر (مرتب) اشفاق حسین: جہلم، بک کارنر، ۲۰۰۶ء ص ۶۵

۲۔ ایضاً۔ ص ۶۸، ۶۷

۳۔ افتخار عارف: شہر علم کے دروازے پر، (مرتب) اشفاق حسین، ص ۹۶

۴۔ ایضاً۔ ص ۶۳

(ISSN: 2959-3735) جلد ۳، شمارہ ۱، جون ۲۰۲۴ء

۵۔ ایضاً۔ ص ۱۳۰

۶۔ ایضاً۔ ص ۱۳۵

۷۔ افتخار عارف، باغِ گلِ سرخ، کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۲۱ء ص ۲۹

۸۔ صفدر میر، ڈاکٹر۔ "مرثیہ بعد از انیس"، لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء ص ۷۴

۹۔ افتخار عارف، شہرِ علم کے دروازے پر (مرتب) اشفاق حسین۔ ص ۱۱۵۔۱۱۶

۱۰۔ ایضاً۔ ص ۷۳۔۷۴